انسان کی معاشرتی زندگی پر صفاتِ الٰہیہ کے اثرات

*بشریٰ ارشد

Abstract

There are a lot of profound effects of attributes of Allah on the human social life. When the person recognizes the attributes of Allah, he starts efforts to adopt those attributes through which he succeeds in his practical life .In fact the knowledge of Allah's attributes is the base of all kinds of knowledge and beleives.

This paper is a study to develop the moral narms, human behavior and impact of attributes of Allah Almighty on the human society in this life and in the life hereinafter, so that it may be practiced to strengthen the moral attitudes and beleieves of the Muslim society as well as the human behavior in their life.

معاشرہ کا معنیٰ و مفہوم:

معاشرہ کا لفظ عشر سے ہے اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ :

عشر ، العین والشین الراء اصلان صحیحان : أحدھما فی عدد معلوم ثم یحمل علیہ غیرہ ۔[1]

لفظ عشر کا مادہ (ع، ش، ر) ہے اس کی اصل ع اور ر ہے ان دونوں کا عدد معلوم ہے اور یہ اس کے سوا بھی استعمال ہوتا ہے۔"

دوسری جگہ اس کی تعریف یوں کی گئی:

عشرۃ و کذا (العشیر) بوزن الشعیر و جمعہ أ عشرء کنصیب و أنصباء و فی الحدیث : تسعۃ أ عشرءالرزق فی التجارۃ و منہ العاشر و العشار بالتشدید ۔ و عشرھم من باب ضرب صار عاشرھم ۔و اعشر القوم صاروا عشرۃ۔[2]

"عشرۃ اور اسی طرح العشیر جس کا وزن شعیر ہے اور اس کی جمع اُعشرء ہے جیسے نصیب اور اُنصباء ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رزق کے ننانوے حصے تجارت میں ہیں۔اور اسی سے عاشر اور عشار ہے تشدید کیساتھ باب ضرب یضرب سے اور دس لوگ جمع ہو گئے۔ والمعاشرہ اور معاشرہ سے مراد ہے سب کا مل جل کر رہنا۔"

☆ بشریٰ ارشد،، ویزٹینگ لیکچرر، ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

چونکہ معاشرہ کے معنیٰ اکٹھے اور مل جل کر رہنے کے ہیں اس لئے معاشرہ سے مراد یہ ہے کہ ا فراد کا وہ مجموعہ جہاں تمام انسان مل جل کر رہے۔اجتماعیت کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے۔انسان ہر متعلقہ شئے کے لئے معاشرے کا محتاج ہے۔اگر اس سے

تمام علائق حذف کر دیئے جائیں تو پھر اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے اور انسانی زندگی کی حیثیت ختم ہو جائے۔اجتماعی زندگی کے بغیر انسان کے اعمال،اغراض اور عادات کی کوئی قیمت نہ رہے۔

معاشرے مختلف بنیادوں پر قائم ہوتے رہے ہیں۔انسانی زندگی کی اجتماعی ترقی میں قوم، برادری، مذہب، جغرافیائی حدود ان تمام عوامل نے بہت اہم کردار انجام دیا ہے۔ انسانی تاریخ میں جتنے معاشرے تشکیل پاتے ہیں ان میں تقریباً یہی عوامل کار فرما رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضرورتوں میں بقائے نسل اور تحفظ ذات کی طرف زیادہ توجہ دیتا رہا ہے،انسان کی اجتماعی زندگی پر نظر رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں دو امور کو پیش نظر رکھا ہے:

ایک یہ کہ وہ اس طرح زندگی بسر کرے کہ اس کی اپنی ذات کی تکمیل ہو۔

دوسرے یہ کہ ایسے اصول وضوابط تیار کرے جن کے ذریعے وہ باقی انسانوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

اب معاشرہ کی تعریف کے بعد ہم معاشرتی زندگی پر صفات الٰہیہ کے اثرات کا جائزہ لیں گے:

اللہ تعالیٰ کی صفت السلام کے معاشرتی اثرات:

اللہ تعالیٰ کی صفت اسلام یعنی سلامتی والی صفت ہے۔انسان جب اللہ تعالیٰ کو رحمن اور رحیم اور سلامتی والی صفات میں محسوس کرتا ہے تو انسان کے اندر بھی یہ جذبہ بھرتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے سلامتی کا باعث بنے دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے کی کوشش کرے تاکہ انسان اللہ کا محبوب بندہ بن سکے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات میں اسی لیے تو شامل کیا کیوں کہ انسان ہی دوسرے انسان کے کام آسکتا ہے اور دوسروں کو نفع پہنچا سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے ۔عظمت وتکریم انسانی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے واقعہ کے باب میں بھی کیا،ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً .[3]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں ''۔

گویا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو جب پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہیں اپنے نائب/خلیفہ کے طور پر متعارف کروا کر عظمت وتکریم آدم کا ذکر کیا۔

اول الذکر آیت کریمہ میں نسل آدم یعنی انسان کی عزت و تکریم کا ذکر ہے، بات فقط اہل ایمان واسلام کی نہیں ہو رہی بلکہ مطلقاً نسل بنی آدم، بنی نوع انسان کی بات ہو رہی ہے کہ بنی نوع انسان کو ہم نے بطور انسان اپنی کائنات خلق کے بے شمار طبقات پر فضیلت و برتری عطا کی ہے۔

انسان کی عظمت واکرام سجدے سے ظاہر کرنا مقصود تھا۔اور جب ابلیس نے حکمِ خداوندی کے باوجود سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ.[4]

"فرمایا: اے ابلیس، تجھے کس نے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے باز رکھا۔؟ گویا اپنے ہاتھ سے تخلیق کرنے کا ذکر فرمانا دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی بے حد عظمت واکرام کا اظہار کرنا ہے۔بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [5]

"اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی جان پہچان رکھواور تمھارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے عزت والاوہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے"۔

درج بالا آیات کریمہ انسان کے مقام و مرتبہ، عظمت وفضیلت کے حوالے سے تھی۔انسانوں کے طبقات اور انسانوں کے آپس کے رشتے کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُــوْرَا [6]

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں، (غلام کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبّر کرنے والے اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس آیت کریمہ میں حکم توحید کے فوری بعد ماں باپ کا حق بیان کیا اور اس کے بعد رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، ہمسایوں، مسافروں، غلاموں، ہم مجلس اور اجنبیوں کے حقوق کا ذکر کیا کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میں اُس دور کے غلاموں کی طرف صریحاً ذکر کرکے ساتھ ساتھ یہ ملکیت حق زوجیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت المومن کے معاشرتی اثرات:

اللہ تعالیٰ کی صفت المومن کے انسانی شخصیت پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی صفت سے امن کا دور دوراں ہوتاہے اور انسان امن کے فروغ کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتاہے، اسلام چونکہ ہے ہی امن کا دین اور امن کا پیغام ہی دیتاہے، ذیل میں اللہ تعالیٰ کی صفت المومن کے اثرات کو بیان کیا جاتاہے:

ا۔فروغ امن:

اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی عورت کو زندہ در گور کر دیا جاتا، مگر اسلام نے انسانی جان کو بہت عظمت واحترام بخشا چاہے وہ عورت ہو مرد، بوڑھا یا جوان ہو، اس کے علاوہ ایک انسان کی جان کو اتنا قیمتی کر دیا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دے دیا۔قرآن کریم میں ہے کہ:

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفسا بغیرنفس آو فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاہا فکانما احیا الناس جمیعا[7]

''اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی انسانی جان کا احترام کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔''

انسانی جان کی حفاظت کا اسلام نے ایک ایسا عالم گیر اور وسیع تصور پیش کیا جو کسی اور مذہب نے پیش نہیں کیا تھا۔

اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبر دار قرار دیتاہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون، الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لہم الامن وہم مہتدون[8]

''دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم وشرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔'' ان اللہ لایحب المفسدین[9] ''اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے۔''

اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

انَّ رَجُلًا سَاءَلاً النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایُّ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ.[10]

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر مسلمان کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہتر مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"۔

یعنی نہ وہ زبان سے کسی مسلمانوں کو تکلیف واذیت نہ پہنچائے اور نہ وہ ہاتھ سے کسی مسلمانوں کو نقصان پہنچائے۔ سوال چونکہ مسلمانوں کے حوالے سے کیا گیا کہ مسلمانوں میں سے اچھا مسلمان کون ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کا جواب بھی مسلمانوں کی نسبت سے عطا فرمایا۔

مومنین کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه[11]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نا کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی تعریف میں فرمایا کہ مومن وہ ہے جس سے صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ کل انسانوں (خواہ مسلم ہوں یا نصاریٰ، یہودی ہوں یا ہندو ان کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب سے ہو) کی جانیں اور ان کے مال محفوظ رہیں۔ گویا مومن وہ ہے جو انسانوں کے لئے امن کا پیکر، امن کا منبع اور امن کا باعث ہو نیز انسانی زندگی کے امن کا محافظ ہو۔ انسانوں کو امن فراہم کرنے والا ہو۔ اس میں نہ مسلمان کا امتیاز رہا اور نہ غیر مسلم کا امتیاز رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تصور اور فکر باطل کو سراسر رد فرمادیا کہ کسی مسلمان کی (معاذاللہ) یہ ذمہ داری ہے کہ وہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کی جانیں لیتا پھرے، انہیں قتل کرے، ان کے مال لوٹے اور ان پر ظلم کرے۔ فرمایا: ایسا عمل اسلام سے خارج ہے اور ایسا عمل کرنے والا شخص خود مسلمان اور مومن ہی نہیں ہے۔

پس احادیث مبارکہ میں مذکور مسلم و مومن کی تعریف سے ہی اسلام کا تصور امن نکھر کر سامنے آرہا ہے کہ اسلام وایمان کی حدود میں وہی شخص شامل ہے جو انسانوں کے لئے باعث امن وسلامتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی صفت الواسع، المغنی، الصمد کے معاشرتی اثرات:

اللہ تعالیٰ کی صفت الواسع سے انسان کے اندر سخاوت کا جذبہ ابھرتا ہے اور انسان دوسروں کے ساتھ حتی الامکان نرمی اور رحمت و شفقت کا برتاؤ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس کے بندوں میں بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا [12]

"اور تمہارے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ [13]

"اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کا پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے۔"

سخاوت سے متعلق حدیث مبارکہ ہے کہ :

حدثنا ابراهيم قال : انا بى قال : نا سعيد بن محمد الوارق ، عن يحيى بن سعيد ، عن محمد بن ابراهيم بن الحارث التيمى ، عن ابيه عن عائشه قالت : سمعت رسول الله ﷺ يقول : السخى قريب من الله ، بعيد من النار ، قريب من الجنة ، قريب من الناس، والبخيل بعيد من الله ، بعيد من الجنة ، بعيد من الناس ، قريب من النار ۔[14]

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: سخی شخص **اللہ** عزّوجل کے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے جب کہ بخیل **اللہ** عزّوجل سے دور ہے جنت سے دُور ہے لوگوں سے دُور ہے اور دوزخ سے قریب ہے۔"

(۱) سخاوت ایک عبادت:

(اللہ کے لئے) مال خرچ کرنا ایک عبادت ہے اور اللہ کی نعمتوں کے شکر کا ایک طریقہ ہے۔ حدیث پاک سے بھی سخاوت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۲) اللہ کے رسول ﷺ کی سخاوت:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور آپ کی شان اجود الناس بالخیر اور اکرم الناس بالخیر تھی۔ سب سے زیادہ جود و کرم کے ساتھ حاجتمندوں، ضرورتمندوں اور محتاجوں پر خرچ کرتے تھے۔ آپ کے خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کی شان "الریح المرسلہ" تیز ہوا کی طرح تھی جو کچھ مال غنیمت، تحائف، ہدایا، عطیات، صدقات، خیرات آتے وہ فوراً خرچ کر دیتے۔ آپ کی شان سخاوت سے ہر کوئی "الریح المرسلہ" تیز ہوا کی طرح فیض یاب ہوتا تھا اور تیز ہوا کی طرح یہ چیزیں آپ کے پاس رکتی نہ تھی بلکہ مستحقین تک فوری پہنچ جاتیں۔ جو کچھ دن کو آتا وہ رات آنے سے پہلے پہلے بٹ جاتا تھا اور تقسیم ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے فاقہ کشوں کا فاقہ ختم کرتے، غریبوں اور محتاجوں کی غربت کا خاتمہ کرتے، ضرورتمندوں کی حاجتوں کو پورا کرتے، تنگدستوں کی تنگدستی دور کرتے۔ افراد امت کی بدحالی کو اپنی شان سخاوت کے ساتھ خوشحالی میں بدلتے۔

(۳) خلق سخاوت فروغ اسلام کا باعث:

سخاوت کرتے وقت زیادہ سے زیادہ عطا کرکے نہ اپنے فاقے کا اندیشہ کرتے اور نہ ہی عطا کرنے والے کو اندیشہ فاقہ رہنے دیتے، اتنا عطا کرتے کہ وہ فاقہ کش خود صاحب مال اور صاحب عطا اور صاحب سخا بن جاتا۔ اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

عن انس ان رجلا سالة فاعطاه غناً بین جبلین فرجع الی قومه وقال اسلموا فان محمدا یعطی عطاء من لا یخشی فاقة.[15]

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان (جتنی بکریاں آتی تھیں) اس کے برابر بکریاں اسے عنایت فرمادیں، جب وہ شخص واپس اپنی قوم میں گیا تو انہیں پکار کر کہنے لگا اسلموا سارے کے سارے مسلمان ہو جاؤ محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ پھر فاقہ کا خوف نہیں رہتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق سخاوت، تمام انسانیت کے اسلام قبول کرنے کا باعث اور سبب بن گیا اس شخص نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق سخاوت سے متاثر ہو کر دی، پوری قوم اور قبیلے کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسلموا مسلمان ہو جاؤ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خلق سخاوت اور یہ خلق جود و کرم ہماری یہ راہنمائی کرتا ہے کہ ہم اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں سخاوت کے جذبے کے ساتھ خرچ کرتے رہیں اور ہم اپنے عمل کو قرآن کے اس حکم کے مطابق بنائیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفت المعز کے معاشرتی اثرات:

اللہ تعالیٰ کی صفت المعز سے لوگوں میں عزت واحترام کا جذبہ ابھرتا ہے اور تکریم انسانیت کا فروغ ملتا ہے۔اس بات کی گواہی قرآن خود دیتا ہے کہ انسان کی عزت وتکریم دوسرے انسان کے لیے کتنی اہم ہے اور یہاں تک کہ اسلام نے ایک شخص کے قتل کو تمام انسانیت کے قتل کے برابر قرار دے دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا [16]

"جو شخص کسی نفس کو بغیر کسی وجہ کے قتل کرے یا زمین میں فساد پھیلانے والا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا"

اس آیت مبارکہ میں انسانی جان کی حرمت کا مطلقاً ذکر کیا گیا ہے کہ ہر مسلمان چاہے وہ عورت، مرد ہو یا بچے، بوڑھے، امیر، غریب، مسلم اور غیر مسلم کی تشخیص نہیں کی گئی۔مدعا یہ ہے کہ قرآن نے کسی بھی انسان کو بلا وجہ قتل کرنے سے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ اسے پوری انسانیت کا قتل کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔

مومن کی تکریم اور حرمت کعبہ

سیاسی، معاشی اور فکری اعتقادات کی بنا پر دوسروں کو مشرک اور کافر کہنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مومن کے جسم وجان اور عزت وآبرو کی حرمت کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے حضور اکرم ﷺ نے مومن کی حرمت کو سب سے زیادہ محترم قرار دیا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ:

عن عبداللہ بن عمرقال: رایت رسول اللہ یطوف با لکعبۃ و یقول : ما اطیبک و اطیب ریحک، ما اعظمک و اعظم حرمتک ، والذی نفس محمد بیدہ ، لحرمۃ المومن اعظم عنداللہ حرمۃً منک مالہ و دمہ، وانّ نظن بہ الا خیراً۔[17]

"حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ)! تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! مومن کے جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔"

اللہ تعالیٰ کی صفت الستار کے معاشرتی اثرات:

اسلام انسان کے ہر پوشیدہ اعمال کو راز میں رکھنے کی تلقین کرتا ہے، راز کی باتوں کو افشا کرنے اور پھیلانے کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے، جو دوسروں کے راز کی حفاظت کرتا ہے اس کے لئے بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "[18]

"اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب چھپائے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب چھپائے گا۔"

یعنی جو شخص دوسروں کی برائیاں بیان کرنے کے بجائے اپنے دل میں ہی دفن کر جاتا ہے، اللہ روز قیامت اس کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالے گا، لوگوں کے سامنے اس کے گناہوں کا تذکرہ نہیں کرے گا، بلکہ اسے در گزر فرمادے گا۔

(۱) غیبت سے پرہیز:

شریعت نے ہر ایسی چیز کو حرام قرار دے دیا جو مسلمان کے ذاتی راز کو افشا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ یعنی ایک مسلمان کا کسی مسلمان کی پرسنل باتوں یا اعمال کو برے ارداہ سے جاننے کے لئے جاسوسی کرنا، چھپ کر اس کے عیوب تلاش کرنا، ٹوہ میں پڑے رہنا وغیرہ سب حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ[19]

"اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم کو اس سے کراہت آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

مَنْ اِطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقَئُوا عَيْنَه "[20]

"جو کسی کے گھر کی طرف بغیر ان کی اجازت کے جھانکے تو ان کے لئے اس کی آنکھیں پھوڑ دینا جائز ہے۔"

(۲) زبان کی حفاظت:

اسی طرح گھر سے باہر جو کسی کی آپس کی باتوں کو سننے کی کوشش کرتا ہے اس کے لئے بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" وَمَنْ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " [21]

"اور جس نے کسی قوم کی بات چیت سنی اور وہ قوم اسے ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بچتے ہوں تو روز قیامت اس کے کانوں میں پگھلایا ہوا سکہ ڈالا جائے گا۔"

ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے چاہے وہ مرد یا عورت کہ جب اس کا ساتھی اسے اپنا محسن اور رازداں سمجھ کر کوئی بات بیان کردے تو اسے اس کی حفاظت کرنی چاہئے، یہ بہت بڑی امانت ہے، چاہے بیان کرنے والا یہ کہے یا نا کہے کہ یہ راز کی بات ہے کسی کو بتانا نہیں!!، کیونکہ انسان کو اللہ نے عقل دی ہے وہ اپنے ساتھی کی بات کس نوعیت کی ہے سمجھ سکتا ہے، بالخصوص جب وہ کوئی بات چوکنا ہو کر بولے کہ کہیں کوئی دوسرا نہ سن لے اور امانت کی حفاظت مسلمان کی واجبی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ[22]

"اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو، اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں بھی خیانت مت کرو۔"

یہ سارے احکام اس لئے ہیں کیونکہ شریعت میں مسلمان کی عزت و ناموس بہت قیمتی چیز ہے۔

عزت و ناموس کی حفاظت ان پانچ ضروری امور میں سے ہے جس کے حفاظت کی اسلام نے مسلمانوں سے ضمانت لی ہے، اور یہ اسلام کے طرہ امتیاز میں سے ہے، وہ پانچ ضروری امور یہ ہیں: 1۔دین کی حفاظت۔ 2۔ نفس و جان کی حفاظت۔ 3۔ نسل کی حفاظت۔ 4۔ عزت و آبرو کی حفاظت۔ 5۔ عقل کی حفاظت۔

(۳) مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت:

عزت و آبرو کی حفاظت کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانے والوں سے چار گواہ طلب کیے ہیں، جبکہ دوسرے امور میں دو گواہوں کی طلب ہے مگر چونکہ یہ مسئلہ عزت و آبرو کی حفاظت کا ہے اس لئے اسلام نے اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری حفاظتی سیکورٹی دی ہے اور تہمت لگانے والوں سے چار گواہ طلب فرمایا ہے، پیش نہ کر پانے کی صورت میں 80 کوڑے مارنے کا حکم ہے، (جبکہ دوسرے امور میں گواہ حاضر نا کر پانے کی صورت میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے) ۔اللہ تعالی نے فرمایا:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [23]

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو یہ لوگ فاسق ہیں۔"

کسی شخص کا اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد مسلمان پر اس کا خون، مال اور عزت و آبرو سب حرام ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ [24]

"کسی آدمی کے برے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہیں۔"

یہ سب کے سب کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

حتی کہ علماء نے دلائل کی روشنی میں یہاں تک کہا ہے کہ: "شرک" اور "قتل" کے بعد سب سے بڑا گناہ یہی ہے کہ کسی مسلمان کی عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کیا جائے۔

معلوم ہوا کسی مسلمان کو گالی دینا، اس کی غیبت کرنا، اور تہمت لگانا وغیرہ جس سے اس کی عزت و آبرو پر آنچ آتی ہو زنا سے بڑھ کر گناہ ہے، بلکہ ماں سے یا اپنے محارم سے کئے گئے زنا سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت الشکور کے معاشرتی اثرات:

شُکر ایک بنیادی نعمت ہے، جس کو یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے، اُس کے لئے ہر نعمت کا دروازہ کھلتا چلا جاتا ہے، قرآن مجید ہمیں کئی مقامات پر ''شکر'' سکھاتا ہے... اللہ تعالیٰ کا شُکر اتنی بڑی نعمت ہے کہ شکر گزار انسان فرشتوں سے بھاری ہو جاتا ہے۔ (جبکہ) ناشکری انسان سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں چھین لیتی ہے، اس لئے احادیث مبارکہ میں شکر کی توفیق مانگنے کی دعائیں ارشاد فرمائی گئی ہیں.

علامہ ابن قیمؒ مدارج السالکین میں تحریر فرماتے ہیں:

الشكر مبنى على خمس قواعد: خضوع الشاكر للمشكور، وحبه له، واعترافه بنعمته، و ثناؤه عليه بها، وان لايستعملها فيما يكره[25]

شکر پانچ قواعد پر مبنی ہے: (۱) شکر گزار انسان اپنے مشکور رب تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرے (۲) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے (۳) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف واقرار کرے (۴) ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے (۵) ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں میں استعمال نہ کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمیں ملنے والی ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما بکم من نعمة فمن الله۔ یعنی: تمہارے پاس جو بھی نعمت آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہوتی ہے، پھر اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کی تعریف کرنی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا: واما بنعمة ربک فحدث۔

یعنی: (اے نبی!) آپ ہر حال میں اپنے رب کا احسان ذکر کیا کرو، پھر یہ نعمت کا شکر صرف زبانی نہ ہونا چاہئے بلکہ عملی شکر ہونا چاہئے کہ اس نعمت کو اللہ تعالی کی رضاء کے مطابق استعمال کیا جائے اور اس کے ناپسندیدہ کاموں میں استعمال نہ کیا جائے۔

اللہ تعالی کی صفت العفو اور التوّاب سے معافی و درگزر کے جذبہ کو فروغ:

عفو و درگزر قیامِ امن کے لیے کس قدر ناگزیر ہے، یہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ سرزمین عرب پر خاص طور سے قتال وجدال کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اس وقت رکا جب آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوئے، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آئندہ کے لیے ختم کر دیا اور اولیں قربانی خود پیش کی اور اپنے خاندان پر ہونے والے مظالم کو فراموش کر دیا اور ان کے اوپر بیک جنبش قلم خطِّ عفو کھینچ دیا۔ جہاں تک عفو و درگزر کا سوال ہے تو:

''ارباب سیر نے تصریح کی اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا.... قریش نے آپ کو گالیاں دیں، آپ ﷺ کو مارنے کی دھمکی دی، آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا، لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر اظہار برہمی نہیں فرمائی۔''[26](۸)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عربوں جیسی وحشی اور جنگجو قوم کو اس فضا سے نکال کر امن اور بھائی چارہ کا درس دیا۔ اگر انھوں نے کبھی جنگ بھی لڑی تو اس وقت، جب انھیں مجبور کیا گیا یا جب قیام امن کے لیے ناگزیر ہو گئی۔''[27](۹)

''احسان''۔ ''حُسن'' سے ہے۔ ''حُسن'' بھی ٹھنڈک اور سلامتی ہی ہے۔ ''حُسن'' توازن (Moderation) کا نام ہے۔ جتنا کسی چیز میں توازن ہو گا اتنی وہ چیز حسین ہو گی۔ رنگ کا توازن ہو تو رنگ حسین ہوتا ہے، اعضاء میں توازن ہو تو اعضاء حسین ہوتے ہیں، قد و قامت میں توازن ہو تو بندہ حسین ہوتا ہے، اخلاق میں توازن ہو تو خُلق حسین ہوتا ہے۔ پس جس کو اللہ نے کمالِ ایمان کہا وہ ''احسان'' ہے اور احسان کا مادہ ''حُسن'' ہے اور حُسن میں بھی امن و سلامتی، توازن، اعتدال ہے۔

حسن خلق اور طبعیت میں نرمی کی علامت:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد گرامی ہے کہ:

تَبَسُّمُکَ فِي وَجْهِ أَخِيکَ لَکَ صَدَقَةٌ.[28]

حسن اخلاق جو دوزخ کی آگ کو بھی حرام کر دیتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ جب اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملو تو ملاقات کے وقت تمہارے چہرے پر تبسم آجائے یہ بھی اللہ کے ہاں صدقہ ہے۔

صرف Smiling Face مسکراتے چہرے کے ساتھ ملنا بھی حسن خلق، صدقہ و خیرات ہے۔ایک Smile دینا بھی Charity (خیرات) ہے۔افسوس کہ ہمارے چہرے اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ کوشش بھی کریں تو مسکرانا نہیں آتا، جلالی خدو خال بن چکے ہیں اور اگر کوئی جبراً مسکرالے تو محسوس ہوتا ہے کہ مسکرانے سے بھی مذاق کیا جارہا ہے۔

حسن خلق کی تعریف کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنَّ الله يُحِبُّ الرِّفقَ فِي الْأَمْرِكُلِّه. [29]

''اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی برتنے کو پسند فرماتا ہے''۔

گویا اخلاق کا معنی اور اسلام کا مزاج اس حدیث مبارکہ سے متعین ہو گیا۔وہی معاملہ اللہ کی بارگاہ میں اچھا ہے جس میں بندے کے معاملے میں نرمی ہے۔ سختی کا معاملہ اللہ کو پسند نہیں کیا جب ہم سختی کا معاملہ کریں گے تو اپنے ساتھ قیامت کے دن سختی کا معاملہ گوارا کرلیں گے۔ ہم خود تو اللہ سے نرمی کا معاملہ مانگیں اور خود سختی کے معاملے کریں، یہ دوہرا پن ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا عَائِشَةُ إنَّ الله رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّه. [30]

''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ خود نرمی کا سلوک فرمانے والا ہے اور ہر معاملہ میں نرمی کرنے والے کو اللہ پسند فرماتا ہے''۔

نرم خوئی کی جزا:

پس اللہ تعالیٰ نرم خوئی پر جو جزا عطا فرماتا ہے وہ کبھی سختی پر عطا نہیں کرتا۔حضرت جریر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ يُحْرِمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْر. [31]

''جو نرم طبیعت سے محروم کر دیا گیا وہ ساری خیر و بھلائی سے محروم کر دیا گیا''۔

جس کی طبیعت میں نرمی نہ رہی، جس کے معاملے میں نرمی نہ رہی، جس کے اخلاق میں نرمی ہوئی وہ سمجھے کہ وہ ساری خیر سے محروم ہو گیا۔ گویا کل خیر نرمی میں ہے اور کل شر سختی میں ہے۔

المختصر یہ کہ مندرجہ بالا صفات جو کہ صفات جمالیہ کا مظہر ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں جب انسان دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمان ور حیم ہے اور شکور، المھیمن، الولی اور ودود ہے تو انسان ان تمام صفات کو اپنے اندر ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح ایک خوبصورت معاشرہ جنم لیتا ہے اور انسان کی معاشرتی زندگی تب خوبصورت ہو جاتی ہے جب وہ اپنے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر ڈھال لیتا ہے اس طرح ایک اچھے معاشرے کا قیام امن میں آتا ہے۔

نتائج بحث:

- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم سارے علوم کی جڑ اور ایمان کی بنیاد ہے کیونکہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کا کماحقہ علم حاصل کرلیں گے، تو وہ اس کی کماحقہ عبادت بھی کریں گے۔ صفات الٰہیہ کی معرفت سے متعلق ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے اور اس بات کا منکر کافر کہلائے گا۔
- مزید یہ کہ سارے علوم میں سب سے زیادہ مقام و مرتبہ رکھنے والا علم وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ، اور اس کے اسماء وصفات سے ہو، اور بندے کی اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کے بقدر اس کے اندر اپنے پروردگار کی بندگی، اس سے انسیت و محبت اور اس کی ہیبت پیدا ہوتی ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی جنت کے حصول کا طالب بننے، نیز آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ یہ مقصد اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔
- صفات الٰہیہ پر ایمان لانے سے جب بندے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ اس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت بھی کرتا ہے اور راضی بھی ہوتا ہے، تو وہ ایسے اعمال سر انجام دیتا ہے، جن کو اس کا معبود و محبوب پسند کرتا ہے اور جن

سے وہ راضی ہوتا ہے۔جب یہی بندہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ غضب، کراہیت، ناراضی، لعنت پر ایمان لاتا ہے، تو وہ ایسے اعمال کرتا ہے، جو اس کے ربّ کو غصہ نہیں دلاتے اور جن کو وہ پسند نہیں کرتا،تاکہ اس کا ربّ ناراض ہو کر اس پر لعنت کر کے اسے اپنی رحمت سے دُور نہ کر دے۔

- نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جمالی صفات پر ایمان لانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ الجمیل" سارے کامل و مکمل ناموں کا جمال، ساری کامل و مکمل صفات کا جمال اور کامل و مکمل کمال کا جمال سب کچھ اللہ تعالی کے لئے ہے۔"الجمیل"کائنات کا جمال اس کے جلال و جمال کی دلیل ہے؛اللہ تعالیٰ کے جمال کو انسانی عقل اپنے احاطہ علم میں لا نہیں سکتی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی جمالی صفات سے انسان کی شخصیت پر ایک یہ اثر ہوتا ہے کہ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت، رافت، رجوع، لطف، معافی، مغفرت، پردہ پوشی اور قبولیتِ دعا کا علم ہوتا ہے اور وہ ان صفات پر ایمان لاتا ہے، تو جب بھی وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے،اپنے لیے اللہ سے رحمت، مغفرت اور قبولیتِ توبہ کی دُعا کرتا ہے، نیز اللہ کے ہاں اپنے مؤمن بندوں کے لیے پردہ پوشی اور لطف و کرم کی جو عنایت ہے، بندہ اس کا طمع کرتا ہے۔جب بھی اس سے کوئی گناہ ہوتا ہے، یہ چیزیں اسے اللہ کی طرف رجوع اور توبہ پر آمادہ کرتی ہیں اور یوں کبھی ناامیدی اس کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر پاتی۔

سفارشات:

گزشتہ صفحات میں مقالے کے نتائج کو بیان کیا گیا ہے ذیل میں بعض اہم تجاویز و سفارشات کا ذکر کیا جائے گا۔

ا۔صفات باری تعالیٰ کے حوالے سے لوگوں کے ذہن میں بہت سے شبہات پائے جاتے ہیں جن کو دور کرنا بہت ضروری ہے یہ علماء وقت کی بہت بڑی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کے ذہنوں سے غلط شبہات کو دور کر کے انہیں صحیح راہ کی طرف متعین کریں
۔

۲۔ حکومت وقت کی یہ ذمے داری ہے کہ انسان کی شخصیت کو سنوارنے کے لیے نصاب تعلیم میں تصوف کو شامل کرے تاکہ بچوں کو شعور حاصل ہو۔

۳۔ مخلوق میں صفات الٰہیہ کی موجودگی سے خالق اور مخلوق کے فرق کو روا رکھا جائے، بعض لوگ رحمدل ہوتے ہیں اور بعض بہت حیار ہوتے ہیں۔

٤۔مخلوق میں صفات الٰہیہ کی موجودگی سے خالق کی صفت میں فرق موجود رہے گا،ہمہ است نہیں ہمہ ازاوست کے نظریہ کو سامنے رکھاجائے گا۔

٥۔اقتدار اعلیٰ کے اصل تصور کو سامنے رکھا جائے گا کہ خواہ انسان کتنی ہی صفات کا مالک کیوں نہ ہو رہے گا تو وہ خدا کا بندہ اس لیے ہر چیز میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی سمجھا جائے تاکہ زندگی میں کامیابی وکامرانی حاصل ہو سکے۔

مصادر و مراجع

[1] رازی،ابوالحسین،احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ،دارالفکر، ٤/ ٣٢٤

2 رازی،ابو بکر، زین الدین ابوعبداللہ،(م٦٦٦ھ)،المکتبۃ العصریۃ،الدار الموذجیۃ،بیروت، صیدا،١/ ٢٠٩

[3]۔آل عمران،٣: ١١٠

[4] ۔بنی اسرائیل،١٧: ٧٠

[5] ۔البقرہ،٢: ٣٠

[6]۔ الحجر١٥: ٢٩

[7] ۔البقرہ،٢: ٣٤

8۔ص،٣٨: ٧٥

[9] ۔الحجرات،٤٩: ١٣

[10] ۔النساء٤: ٣٦

[11] ۔المائدہ،٥: ٣٢

[12] الانعام،٦: ٨١،٨٢

[13] ۔القصص،٢٨: ٧٧

[14] ۔بخاری،الجامع الصحیح،کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل،رقم الحدیث:١١،١/ ١١

15بخاري،الجامع الصحیح ،کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ،رقم الحدیث: ١٣،١/ ١٤

[16] الاسراء،١٧: ٢٠

[17] ۔الضحیٰ،٩٣: ٥

18 آل عمران،۳: ۱۰۲

19۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی السخائ، رقم الحدیث ۱۹۶۷ ۸، ۳/ ۳۸۷

۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب ما سئل رسول اللہ ﷺ شیئا قط فقال لا وکثرۃ عطائہ، رقم الحدیث: ۲۳۱۲، ۴/ ۱۸۰۶
20

21 ۔ المائدہ،۵: ۳۲

22 ۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المومن ومالہ، رقم الحدیث: ۳۹۳۲، ۲/ ۱۲۹۷

23 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۰، ۴/ ۱۹۹۶

24 ۔ الحجرات۴۹: ۱۲

25 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، رقم الحدیث: ۲۱۵۸، ۳/ ۱۶۹۹

26 ۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ، رقم الحدیث: ۷۰۴۲، ۹/ ۴۲

27 ۔ الانفال،۸: ۲۷

28 ۔ النور۲۴: ۵،۴

۔ مسلم ،الجامع الصحیح کتاب البر والصلہ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم، وخذلہ واحتقارہ ودمہ، وعرضہ، ومالہ، رقم الحدیث:
29۲۵۶۴، ۴/ ۱۹۸۶

30 ۔ ابن قیم، (م ۷۵۱ھ) مدارج السالکین، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۶ء، ۲/ ۲۳۴

31 نعمانی، علامہ شبلی، ستمبر ۲۰۰۲/، سیرت النبی،، ادارہ اسلامیات، انار کلی، لاہور، ۱/ ۵۹۹

32 نعمانی، علامہ شبلی، ستمبر ۲۰۰۲/، سیرت النبی،، ادارہ اسلامیات، انار کلی، لاہور، ۱/ ۵۹۹

33 ۔ ترمذی، الجامع الترمذی، باب البر والصلۃ، رقم الحدیث: ۱۹۵۶، ۴/ ۳۳۹

۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم، باب اذا عرض الذمی وغیرہ بسب النبی ﷺ ولم یصرح، رقم
34الحدیث ۶۹۲۷: ۹/ ۱۶

۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستتابۃ المرتدین، باب اذا عرض الذمی وغیرہ بسب النبی ﷺ ولم یصرح، رقم الحدیث: ۶۵۲۸،
35۶/ ۲۵۳۹

36 ۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق، رقم الحدیث: ۲۵۹۲، ۴/ ۲۰۰۳

[37] ۔الحجرات،۴۹: ۷۹

[38] ۔البقرہ،۲: ۱۷۷

[39] ۔یونس،۱۰ : ۱۰۹

[40] ۔ص،۳۸: ۴۴

[41] ۔لقمان،۳۱: ۱۷

[42] ۔النحل،۱۶: ۱۲۵۔۱۲۷

[43] ۔حٰم السجدہ،۴۱: ۳۳۔۳۵

[44] الانفال،۸: ٦٦

[45] ۔مریم،۱۹: ٦۵

[46]۔البقرہ،:۲ ۱۵۵۔۱۵۷